© rasailojaraid.com

۱۰۔ ابن شاکر الکتبی، محمد بن شاکر بن احمد،فوات الوفیات، دارصادر، بیروت، ۱۹۷۴ئ، ۳/۲۸۸

۱۱۔ الدرر الکامنۃ، ۵/۴۷۷

۱۲۔ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ۹/۲۶۹

۱۳۔ ابن کثیر، عماد الدین محمد بن اسماعیل، البدایۃ و النھایۃ، دار احیاء التراث، بیروت، ۱۹۸۸ئ، ۱۴/۱۶۹

۱۴۔ ابن العماد، ابوالفلاح عبدالحی بن احمد، شذرات الذھب فی أخبار من ذھب، دار ابن کثیر، بیروت، الطبعۃ الاولی، ۱۹۹۴ئ، ۸/۱۹۰

۱۵۔ الاسنوی، جمال الدین عبدالرحیم، طبقات الشافعیۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولی ۱۹۸۷ئ، ۱/۱۸۷

۱۶۔ محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضرات سیرت، الفیصل ناشران کتب، لاہور، ستمبر ۲۰۱۲ئ، ص ۲۱۸۔۲۱۹

۱۷۔ محی الدین مستو، مقدمہ عیون الاثر، ۱/۱۴

۱۸۔ ابن سید الناس، محمد بن محمد، عیون الأثر فی فنون المغازی و الشمائل و السیر، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۹۹۲ئ، ۱/۵۳

۱۹۔ حوالہ سابق، ۲/۴۳

۲۰۔ حوالہ سابق، ۲/۷۹

۲۱۔ حوالہ سابق، ۱/۴۳۴

۲۲۔ حوالہ سابق، ۲/۷۳

۲۴۔ حوالہ سابق، ۲/۲۰۸

۲۴۔ حوالہ سابق، ۱/۲۵۱

۲۵۔ حوالہ سابق، ۲/۴۱۹

۲۶۔ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ۹/۲۶۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۷۔ البدایۃ والنھایۃ، ۱۴/ ۱۶۹

۲۸۔ السخاوی، محمد بن عبدالرحمن بن محمد، الاعلان بالتوبیخ لمن ذم أهل التاریخ، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۹۸۶ئ،ص ۱۴۹

۲۹۔ البدرالطالع، ۲/ ۲۶۰

☆☆☆

اکیسویں صدی کے سماجی مسائل اور اسلام

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

اکیسویں صدی عیسوی میں جہاں سائنسی ایجادات اور تمدنی ترقیات کے نتیجے میں سفر وحضر کی سہولیات پیدا ہوئی ہیں اور انسانی زندگی پُر تعیش ہوئی ہے، وہیں بہت سے ایسے سماجی اور اخلاقی مسائل بھی اٹھ کھڑے ہوئے ہیں جن سے دنیا فتنہ و فساد سے بھی گئی ہے۔ نکاح کے بغیر جنسی تعلق، جنسی بے راہ روی وزنا کاری، رحمِ مادر کا اجرت پر حصول، ہم جنسیت، مصنوعی طریقۂ تولید، اسپرم بینک، رحمِ مادر میں بچیوں کا قتل، گھریلو تشدد، اولڈ ایج ہوم، پلاسٹک سرجری اور عام تباہی کے اسلحہ کا استعمال، چند ایسے مسائل ہیں جن سے انسانی معاشرے عالمی سطح پر دو چار ہیں۔

اس کتاب میں ان مسائل پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے، ان کے اسباب اور اثرات ونتائج کا بھرپور تجزیہ کیا گیا ہے اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان کا حل پیش کیا گیا ہے۔

جدید ترین مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر پیش کرنے والی کتاب۔
آفسیٹ کی حسین طباعت، صفحات: ۲۵۶، قیمت: ۱۴۰ روپے

ملنے کے پتے

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ-۲
مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، دعوت نگر ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-۲۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا فراہیؒ کی تفسیر سورۂ فیل

ایک تنقیدی جائزہ

شیخ عبدالرحمن بن یحییٰ المعلّمی الیمانی
مترجم: ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

مولانا حمیدالدین فراہیؒ (۱۸۶۳ـ۱۹۳۰ئ) کی جلالتِ علمی، مختلف علوم وفنون میں مہارت اور خاص طور پر تفسیر وعلوم قرآنی میں گہری نظر کے باوجود ان کے بعض تفردات سے اہلِ علم نے اتفاق نہیں کیا اور ان پر جرح وتنقید کی ہے۔ ان کی تحریروں میں سب سے زیادہ تفسیر سورۂ فیل ہدفِ تنقید بنی ہے۔ اس تفسیر میں مولانا نے یہ نقطۂ نظر پیش کیا تھا کہ شاہِ یمن ابرہہ جب خانۂ کعبہ ڈھانے کے ارادے سے اپنے لاؤلشکر کے ساتھ آیا تھا تو اہلِ مکہ نے مقابلہ سے پہلوتہی نہیں کی تھی، بلکہ ڈٹ کر اس کا مقابلہ کیا تھا اور اس پر پتھروں کی بارش کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس پر زبردست آندھی مسلّط کردی تھی، جس سے پورا لشکر ہلاک ہوگیا تھا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کی لاشوں کو کھانے کے لیے پرندے بھیجے تھے۔ اس نقطۂ نظر پر جن حضرات نے نقد کیا تھا ان میں مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی (قصص القرآن، جلد سوم) اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (تفہیم القرآن، جلد ششم) مشہور ہیں۔ حال میں (۱۴۳۴ھ) اس پر ایک ناقدانہ تحریر عربی زبان میں شیخ علامہ عبدالرحمن بن یحییٰ المعلّمی الیمانی (م ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ئ) کے قلم سے شائع ہوئی ہے۔

شیخ معلّمی کی ولادت یمن میں ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۵ئ ء میں ہوئی۔ وہیں انھوں نے تعلیم کے مراحل طے کیے، یہاں تک کہ انھیں شیخ الاسلام کے لقب سے نوازا گیا۔ ۱۳۴۵ھ/ میں وہ ہندوستان آگئے تھے، جہاں ۱۳۷۱ھ/ تک ربع صدی سے زائد عرصہ دائرۃ المعارف العثمانیۃ حیدرآباد سے وابستہ رہے۔ ان کے ذمے حدیث وتاریخ کی کتابوں کی تحقیق وتصحیح کا کام تھا۔ اس کے بعد وہ واپس مکہ مکرمہ چلے گئے، جہاں انھیں مکتبۃ الحرم المکی کا ذمہ دار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنا دیا گیا۔ انھوں نے متعدد امہات الکتب کی تحقیق کی ہے، جن میں ابن ماکولا کی الاکمال اور سمعانی کی الانساب مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ ان کی متعدد طبع زاد تصانیف بھی ہیں۔

اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ کے ایک منصوبے کے تحت شیخ المعلّمی کی تمام تصانیف تحقیق و تدوین کے بعد شائع کی جارہی ہیں۔ اسی کے تحت ان کی مذکورہ کتاب **رسالۃ فی التعقیب علی تفسیر سورۃ الفیل للمعلّم عبدالحمید الفراھی** کے نام سے شائع کی گئی ہے۔ اس کی تحقیق کی خدمت ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی نے انجام دی ہے۔

مولانا فراہی کی تفسیر سورۂ فیل ان کی وفات کے بعد ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ ان دنوں شیخ عبدالرحمن المعلّمی حیدرآباد میں تھے۔ اس تفسیر پر ان کا رد دو حصوں میں ہے۔ پہلے حصے میں انھوں نے تفسیر فراہی پر تنقیدی نظر ڈالی ہے اور دوسرے حصے میں مذکورہ سورہ کی خود تفسیر کی ہے۔ یہ کتاب قیمتی تفسیری مباحث پر مشتمل ہے۔ ذیل میں اس کے منتخب حصوں کا ترجمہ تلخیص کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے۔ (رضی الاسلام)

میں نے علامہ محقق المعلّم عبدالحمید فراہی کی بعض تصانیف مثلاً **إمعان فی أقسام القرآن، الرأی الصحیح فی من ھو الذبیح** اور تفسیر سورۂ شمس کا مطالعہ کیا ہے اور ان سے فائدہ اٹھایا ہے۔ ان کتابوں سے مؤلف کی عبقریت کا اظہار ہوتا ہے۔ حال میں مجھے ان کی 'تفسیر سورۂ فیل' کے مطالعہ کا موقع ملا۔ اس میں بھی ان کا یہ وصف نمایاں ہے کہ اگر ان کے سامنے کوئی دلیل ہو تو اس کی بنیاد پر وہ برملا اختلاف کرتے ہیں۔ البتہ یہاں ان کا اختلاف کسی مشہور قول کے سلسلے میں نہیں ہے، بلکہ انھوں نے ایسی رائے کی مخالفت کی ہے، جس کے جمہور قائل ہیں اور پوری تاریخ میں کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا ہے۔ ایسی متفق علیہ رائے کی مخالفت کے لیے محض اشارات اور قیاسات کافی نہیں ہیں، بلکہ انتہائی مضبوط اور قطعی دلائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ معلّم فراہی نے اپنی رائے کے حق میں جو دلائل پیش کیے ہیں، میں نے ان پر غور کیا تو ان کو اس معیار کا نہیں پایا۔ ذیل میں ان کا ایک جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

ابن اسحاق واقعۂ ابرہہ کی روایت میں منفرد نہیں ہیں

ابن اسحاقؒ نے بیان کیا ہے کہ ''ابرہہ نے صنعاء میں ایک عظیم الشان کنیسہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعمیر کیا، تا کہ لوگ حج کرنے کے لیے مکہ جانے کے بجائے وہاں آیا کریں۔ ایک شخص نے غصے میں آ کر اس کنیسہ میں غلاظت کر دی۔ ابرہہ کو معلوم ہوا تو وہ سخت غضب ناک ہوا اور اس نے قسم کھا کر کہا کہ وہ اپنی فوج لے جا کر خانۂ کعبہ کو ڈھا دے گا‘‘

معلّم فراہی نے اس واقعہ کا انکار کیا ہے اور اس کی دلیل یہ دی ہے کہ ’’اس کی روایت ابن اسحاق نے کی ہے اور اہل فن کے نزدیک یہ امر طے شدہ ہے کہ وہ یہود اور غیر ثقہ راویوں سے روایت کرتے ہیں۔‘‘ انھوں نے لکھا ہے کہ ’’یہ تمام باتیں دشمنوں کی گھڑی ہوئی ہیں، ان میں عربوں کی غیرت وحمیت کی تحقیر کی گئی ہے اور ابرہہ کے لیے عذر تراشا گیا ہے‘‘۔

اس روایت میں ابن اسحاق منفرد نہیں ہیں، بلکہ یہ واقدی اور ابن الکلبی سے بھی مروی ہے ا؎۔ پھر اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو عربوں کے لیے عیب ہو اور ابرہہ کے لیے وجہ جواز فراہم کرتی ہو۔ اس لیے کہ ایک شخص کی حرکت تمام عربوں کو مجرم نہیں بناتی اور اگر تمام اہل عرب نے کوئی قصور کیا ہوتا تو بھی اس کی بنا پر بیت اللہ کو ڈھانے کا جواز نہیں بنتا۔ البتہ یہ واقعہ روایت کے پہلو سے ثابت شدہ نہیں ہے۔

عبدالمطلب کا رویہ

ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ ’’ابرہہ نے اہل مکہ کے سردار کو بلا بھیجا۔ عبدالمطلب اس کے پاس پہنچے تو ابرہہ نے ان کے ساتھ بڑے اعزاز و اکرام کا معاملہ کیا۔ تختِ شاہی سے اتر کر فرش پر بیٹھ گیا اور ان کو اپنے پہلو میں بٹھایا۔ گفتگو شروع ہوئی تو عبدالمطلب نے کہا: میرے دو سو (۲۰۰) اونٹ آپ کے آدمی ہانک کر لے گئے ہیں، وہ مجھے واپس کر دیے جائیں‘‘۔

معلّم فراہی نے لکھا ہے کہ ’’ابرہہ عبدالمطلب کے ساتھ جس اخلاق سے پیش آیا تھا اس سے پوری امید بندھتی تھی کہ اگر وہ اس سے خانۂ کعبہ کے بارے میں کوئی خواہش کرتے تو وہ اس کو آسانی سے رد نہ کرتا۔ ایسی حالت میں یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ چند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اونٹوں کے لیے تو اس سے درخواست کرتے، لیکن اصل معاملے کو بالکل ٹال جاتے''۔

واقعہ کی تفصیلات سے ایسی کوئی امید نہیں بندھتی تھی۔ ممکن ہے، عبدالمطلب نے محسوس کیا ہو کہ ابرہہ کے احترام ظاہر کرنے کا مقصد انہیں خانۂ کعبہ کے انہدام پر رضامند کرنا ہو۔ ممکن ہے، عبدالمطلب کو اللہ تعالیٰ پر غیر معمولی توکل ہوا اور وہ ابرہہ سے خانۂ کعبہ کے بارے میں بات کرکے اس توکل کو مکدّر کرنا نہ چاہتے ہوں۔ ممکن ہے، وہ سمجھتے ہوں کہ خانۂ کعبہ کے بارے میں کوئی بات نہ کرنے سے ابرہہ پر خوف اور رعب طاری ہوجائے گا۔ واقعہ کے بعض بیانات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس میں ہے کہ ابرہہ نے عبدالمطلب سے کہا: ''میں اس گھر کو ڈھانے آیا ہوں جسے تم اور تمھاری قوم محترم سمجھتی ہے۔ حیرت ہے کہ تم نے مجھ سے اپنے اونٹوں کے بارے میں تو بات کی، لیکن اس گھر کے بارے میں کوئی بات نہیں کی''۔ اس پر عبدالمطلب نے جواب دیا: ''ان اونٹوں کا مالک میں ہوں، اس لیے میں نے ان کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ اس گھر کا بھی ایک مالک ہے۔ وہ اس کی حفاظت کرے گا''۔

عبدالمطلب کا اپنے اونٹوں کی واپسی کا مطالبہ کرنا مال کے لالچ میں نہیں تھا، بلکہ وہ ان کی گردنوں میں قلادے پہنا کر حرم میں ہانک دینا چاہتا تھے، تاکہ انہیں ضرر پہنچے تو اللہ تعالیٰ کا غضب بھڑک اٹھے، جیسا کہ واقدی کی روایت میں اس کی صراحت ہے۔ [۲]

ایک روایت میں ہے کہ مکہ کے ایک بزرگ ابومسعود الثقفی نے عبدالمطلب کو ایسا کرنے کا مشورہ دیا تھا [۳] اور چوں کہ ابرہہ کے آدمی عبدالمطلب کے اونٹوں کو ہانک کر لے گئے تھے، اس لیے ان کو واپس لانے کے لیے عبدالمطلب ابرہہ کے پاس گئے تھے۔

ابن اسحاق کی روایت سے معلوم ہوتا ہے اور مستدرک حاکم میں مروی حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت [۴] سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ عبدالمطلب اور مکہ کے دیگر سربرآوردہ لوگوں نے ابرہہ کے پاس جاکر اسے خانۂ کعبہ کے انہدام سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی اور اس کے عوض اس کے سامنے کچھ مال دینے کی پیش کش کی تھی، لیکن اس نے ان کی پیش کش کو ٹھکرا دیا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عربوں کی غیرت وحمیت

معلّم فراہی نے لکھا ہے: ''دنیا کے پردے میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جو اپنی عبادت گاہ کو خدا کا گھر سمجھتی ہو، پھر اس سے اس بے حمیتی کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے کہ وہ بغیر کسی مدافعت کے، اپنا معبد دشمنوں کے حوالے کر کے پہاڑوں میں جا چھپے گی۔ اس طرح کی بے حمیتی کا گمان تو ہم دنیا کی ادنیٰ قوموں کی نسبت بھی نہیں کر سکتے، تو قریش اور بنی اسماعیل کی نسبت کس طرح کر سکتے ہیں، جن کا تمام سرمایہ فخر و نازش ہمیشہ شہ سواری، شمشیر زنی اور قدر اندازی ہی رہا ہے''۔

عربوں کی غیرت وحمیت برحق ہے، لیکن ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔ ابرہہ یمن کا بادشاہ تھا۔ اس کے علاوہ عرب کے بعض علاقوں پر بھی قابض تھا۔ چنانچہ بیان کیا گیا ہے کہ نجد اور اطرافِ عراق پر بھی اس کی حکم رانی تھی ۵۔ جاہلی شعراء نے اس کی عظمت کے قصیدے پڑھے ہیں ۶۔ کچھ عرصہ قبل سدّ مارب کی کھدائی میں ایسی تختیاں برآمد ہوئی ہیں جنھیں ابرہہ کے حکم سے لکھا گیا تھا۔ ان میں درج ہے کہ ابرہہ سبا، ریدان، حضرموت، یمنات، عرب النجاد اور عرب السواحل کا بادشاہ تھا'' ۷۔

ابرہہ ایک بڑی فوج لے کر آیا تھا۔ ابن الزبعری کے شعر میں صراحت ہے کہ اس کی تعداد ساٹھ ہزار تھی ۸۔ ان میں سے شہ سواروں کی تعداد کم از کم دس ہزار تھی۔ ساتھ میں تیرہ ہاتھی بھی تھے ۹۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ زبردست تیاری کے ساتھ آیا تھا۔

دوسری طرف اہل عرب منتشر تھے۔ ان میں سے بہت سوں نے ابرہہ کی اطاعت قبول کر لی تھی، یہاں تک کہ ان کا ایک گروہ اس کی فوج میں شامل تھا۔ ۱۰۔ قبیلۂ ثقیف اور دوسرے جن قبیلوں نے راستے میں اس سے جنگ کی تھی وہ شکست کھا چکے تھے اور انھوں نے خود سپردگی اختیار کر لی تھی۔

معلّم فراہی کا خیال ہے کہ ابرہہ کی آمد ایام حج میں ہوئی تھی۔ اگر اسے صحیح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مان لیا جائے تو یہ بات طے ہے کہ اس سال حج کے لیے بہت کم لوگ آئے تھے، کیوں کہ بیش تر عربوں نے ابرہہ کی ماتحتی قبول کر لی تھی اور جو لوگ حج کے لیے آئے ہوں گے وہ اپنی عادت کے مطابق جنگ کی تیاری کے ساتھ نہیں آئے ہوں گے، اس لیے کہ وہ حرام مہینوں میں جنگ کو گناہ کا کام سمجھتے تھے۔

روایات میں ہے کہ ابرہہ نے اعلان کر دیا تھا کہ وہ جنگ کرنا نہیں چاہتا، صرف خانۂ کعبہ کو ڈھانے کے مقصد سے آیا ہے۔ عربوں کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ضرور اپنے گھر کی حفاظت کرے گا۔ شاید انھوں نے یہ بھی سوچا ہو کہ اگر ابرہہ خانۂ کعبہ کے انہدام میں کام یاب ہو گیا تو کیا ہوا؟ اس کے واپس جانے کے بعد وہ دوبارہ پہلے سے بہتر اس کی تعمیر کر لیں گے۔

مزید برآں، قریش کی زندگی تجارت پر موقوف تھی۔ ان کا خیال تھا کہ ابرہہ سے جنگ کرنے سے انھیں دو پہلوؤں سے نقصان ہوگا: یا تو وہ مغلوب ہو جائیں گے یا یمن، حبشہ اور شام سے ان کی تجارت کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔ شام سے اس لیے کہ اس وقت شام روم کے تابع تھا اور حبشہ اور روم کے درمیان گہرے تعلقات تھے۔

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ اُن حالات میں قریش کا ابرہہ سے جنگ نہ کرنا مستبعد نہیں تھا۔ اس میں ان کے لیے عار کی کوئی بات نہیں تھی اور نہ یہ ان کی غیرت و حمیت کے منافی تھا۔

ابرہہ کی آمد کا زمانہ

لیکن یہ بات صحیح نہیں کہ ابرہہ ایام حج میں مکہ مکرمہ آیا تھا۔ اصحاب سیر نے لکھا ہے کہ اس کی آمد محرم کے نصفِ آخر میں ہوئی تھی [۱۱]۔ معلّم فراہی نے ابرہہ کے موسمِ حج میں آنے کی دلیل یہ دی ہے کہ بعض شعراء نے اپنے اشعار میں اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ابرہہ کے آدمی جن اونٹوں کو ہنکا لے گئے تھے ان کی گردنوں میں قلادے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ قربانی کے اونٹ تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جن جانوروں کی گردنوں میں قلادے ہوں ان کا قربانی کے لیے متعین ہونا ضروری نہیں۔ اہل عرب جن جانوروں کو چوری اور لوٹ سے بچانا چاہتے تھے ان کی گردنوں میں بھی قلادے ڈال دیتے تھے۔ اس لیے کہ حرم کے احترام کی وجہ سے چور ڈاکو قلادہ والے جانوروں پر ہاتھ ڈالنے سے گریز کرتے تھے۔ سلف کی ایک جماعت سے آیت: **یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا لاَ تُحِلُّوا شَعَآئِرَ اللّٰہِ وَلاَ الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلاَ الْهَدْیَ وَلاَ الْقَلَآئِدَ** (المائدۃ:۲) کی تفسیر میں یہ قول مروی ہے۔ ۱۲؎

عبدالمطلب کے، اونٹوں کی گردنوں میں قلادے ڈالنے سے یہ متعین نہیں ہوتا کہ وہ حج کا زمانہ تھا۔ اگر انھوں نے محرم میں قلادے ڈالے ہوں تو ہوسکتا ہے کہ انھوں نے اگلے حج میں ان کی قربانی کا ارادہ کیا ہو۔

'کید' کے معنی 'مخفی چال' کے نہیں ہیں

معلّم فراہی نے لکھا ہے: ''قرآن مجید میں تصریح ہے کہ اصحابِ فیل نے ایک مخفی چال (کید) چلی تھی، لیکن روایات میں اس کے حملے کے جو وجوہ بیان کیے ہیں، ان میں مخفی چال کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ وہ اس کے برعکس قوت کی نمائش اور عربوں کی تذلیل کی ایک نہایت کھلی ہوئی کارروائی ہے''۔

کید کے لیے چال کا مخفی ہونا ضروری نہیں۔ کید کا مطلب ہے وہ پختہ تدبیر جس میں ندرت ہو۔ اس معنی میں اس کا استعمال قرآن میں متعدد مقامات پر ہوا ہے۔ آل فرعون کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَمَّا جَآءَ هُم بِالْحَقِّ مِنْ عِندِنَا قَالُوا اقْتُلُوا أَبْنَآءَ الَّذِیْنَ آمَنُوا مَعَهُ وَاسْتَحْیُوا نِسَآءَ هُمْ وَمَا کَیْدُ الْکٰفِرِیْنَ إِلَّا فِیْ ضَلَالٍ (المومن:۲۵)

پھر جب وہ (یعنی موسیٰؑ) ہماری طرف سے حق ان کے سامنے لے آیا تو انھوں نے کہا: ''جو لوگ ایمان لا کر اس کے ساتھ شامل ہوئے ہیں ان سب کے لڑکوں کو قتل کرو اور لڑکیوں کو جیتا چھوڑ دو''۔ مگر کافروں کی چال اکارت ہی گئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اہلِ ایمان کے لڑکوں کا قتل خفیہ طریقے سے نہیں کرایا گیا تھا، بلکہ علی الاعلان اس پر عمل ہوتا تھا۔ اس میں ندرت یہ تھی کہ اس سے قبل بچوں کا قتل معروف طریقہ نہیں تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں ہے:

قَالُوا ابۡنُوا لَهُ بُنۡيَانًا فَأَلۡقُوهُ فِي الۡجَحِيمِ۔ فَأَرَادُوا بِهِ كَيۡدًا فَجَعَلۡنٰهُمُ الۡأَسۡفَلِينَ (الصّٰفّٰت:۹۷-۹۸))

انھوں نے آپس میں کہا کہ "اس کے لیے ایک الاؤ تیار کرو اور اسے دہکتی ہوئی آگ کے ڈھیر میں پھینک دو"۔ انھوں نے اس کے خلاف ایک کارروائی کرنی چاہی تھی، مگر ہم نے انھی کو نیچا دکھا دیا"۔

دہکتی ہوئی آگ میں حضرت ابراہیمؑ کو ڈالنے کا منصوبہ خفیہ نہیں، بلکہ علانیہ تھا۔ اسے کید اس لیے کہا گیا کہ یہ طریقہ اس سے پہلے معروف نہیں تھا۔

ابرہہ کی فوج کشی کو کید سے اس لیے تعبیر کیا گیا، کیوں کہ وہ اہلِ عرب کو مرعوب اور دہشت زدہ کرنے کے لیے ہاتھی لایا تھا، جب کہ اہلِ عرب ہاتھیوں سے جنگ کے طریقے سے نابلد تھے، بلکہ ان میں سے اکثر نے ہاتھی دیکھا تک نہ تھا۔ اور ابرہہ نے اس کے لیے ماہ محرم کا انتخاب کیا تھا، جسے اہل عرب حرام مہینوں میں شمار کرتے تھے اور ان میں جنگ کرنے کو گناہ سمجھتے تھے اور اس زمانے میں حج کے لیے آنے والے اپنے اپنے ملکوں کو واپس جا چکے تھے اور مکے میں صرف وہیں کے باشندے بچے تھے۔

اشعار کا پس منظر سمجھنے میں لغزش

معلّم فراہی نے لکھا ہے: "عرب شعراء نے اپنے اشعار میں قبیلۂ ثقیف کی ہجو کی ہے کہ خانۂ کعبہ کی حمایت کے وقت اس نے بزدلی دکھائی اور دشمن سے ساز باز کرلیا۔ چنانچہ ضرار بن خطاب کا شعر ہے:

وفرّت ثقیف الی لاتها بمنقلب الخائب الخاسر

"اور ثقیف ایک نامراد بھاگنے والے کی طرح اپنے معبود لات کی طرف بھاگ گئے"

ابرہہ کے ساتھ قبیلۂ ثقیف کی ساز باز پر تمام روایات متفق ہیں اور ابو رغال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ثقفی کی قبر، اس گناہ پر کہ اس نے ابرہہ کی فوج کو رستہ بتایا تھا، سنگ بار کی گئی۔ پھر سوچنے کی بات ہے کہ اگر ثقیف کی طرح تمام عرب بھاگ گئے تھے تو آخر قبیلۂ ثقیف ہی کا کیا قصور تھا کہ ان کی ہجو کی گئی، پھر تو ان کا عذر بھی بالکل واضح تھا۔“

یہ شعر ابرہہ کی فوج کشی کے موقع کا نہیں ہے، بلکہ اس کے پندرہ بیس سال کے بعد جنگِ فجار کے موقع کا ہے۔ یہ جنگ قریش ہم راہ کنانہ کے تمام قبائل اور ثقیف ہم راہ قیس عیلان کے تمام قبائل کے درمیان ہوئی تھی۔ اس میں ثقیف نے شکست کھا کر راہِ فرار اختیار کی تھی۔

اس واقعہ کا تذکرہ سیرۃ ابن ہشام میں اختصار سے اور الاغانی میں تفصیل میں ہوا ہے۔ ۱۳؎ دراصل معلّم فراہی کو ابن ہشام کے اندازِ بیان سے غلط فہمی ہوگئی۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ابرہہ جب طائف پہنچا تو قبیلۂ ثقیف نے اس کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا: ”اے بادشاہ! ہم آپ کے مطیعِ فرمان ہیں۔ آپ سے ہمارا کوئی اختلاف بھی نہیں ہے۔ آپ جس گھر کو ڈھانے نکلے ہیں وہ ہمارا یہ معبد نہیں ہے“۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ان کی مراد 'لات' کے معبد سے تھی، جس کی وہ انتہائی تعظیم کرتے تھے۔ ابن ہشام نے 'لات' کی تشریح میں ضرار بن خطاب کا مذکورہ شعر درج کر دیا ہے۔ اس سے ان کا مقصود صرف یہ بیان کرنا تھا کہ قبیلۂ ثقیف جس بت کی پرستش کرتے تھے اس کا نام 'لات' تھا، لیکن معلّم فراہی نے یہ سمجھ لیا کہ شعر بھی ابرہہ کی فوج کشی کے موقع کا ہے۔

ابو رغال قبیلۂ ثقیف کا سردار نہیں تھا، بلکہ اس کا ایک فرد تھا۔ اس کی قبر کو سنگ بار اس لیے کیا جاتا تھا، کہ اس نے بہ رضا و رغبت ابرہہ کا ساتھ دیا تھا۔ یہ بات بھی ثابت نہیں ہے کہ اس نے ابرہہ کی فوج کی رہ نمائی کی تھی۔ کیوں کہ کہا گیا ہے کہ ابو رغال کا زمانہ واقعۂ ابرہہ سے بہت پہلے کا ہے۔ ۱۴؎

آگے معلّم فراہی نے لکھا ہے: ”اہلِ سیر اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ابرہہ کے حملے کے پہلے دن سے قبائلِ عرب وقتاً فوقتاً اس کی فوج پر تاخت کرتے رہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عرب عموماً نہ صرف اس کے مخالف تھے، بلکہ اس سے جنگ کرنے کے لیے آمادہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے۔ ابرہہ کے ساتھ ان کی جو جھڑپیں ہو رہی تھیں ان کا چرچا بھی ہر جگہ پھیلا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ بعض شعراء نے اس پر فخریے بھی لکھے ہیں۔ قدیم اسلامی شاعر ذوالرمہ کہتا ہے:

و أبرهة اصطادت صدور رماحنا جهاراً وعثنون العجاجة أكدر

''اور ہمارے نیزوں نے علانیہ ابرہہ کا شکار کیا اور فضا میں کثیف غبار کا ستون قائم تھا''۔

اس شعر میں صاف تصریح ہے کہ ذوالرمہ کی قوم کے ایک آدمی نے ابرہہ کو نیزہ مارا اور یہ واقعہ جس دن پیش آیا ہے، کثیف غبار آسمان تک بلند تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسی دن اللہ تعالیٰ نے ہوا کا طوفان بھیج کر ان پر سنگ ریزوں کی بارش کی۔''

معلّم فراہی سے مذکورہ بالا شعر کا موقع و محل بیان کرنے میں بھی لغزش ہوئی ہے۔ مکہ پر حملہ آور شاہِ حبشہ کا نام مورخین و اصحاب سیر نے ابرہۃ الاشرم ابویکسوم بیان کیا ہے، جب کہ مذکورہ بالا شعر میں جس شخص کا تذکرہ ہے اس کا نام شارحینِ دیوان نے ابرہہ بن الصباح لکھا ہے اور ساتھ ہی اس کا تعارف 'ملک من ملوک حمیر' کے الفاظ سے کرایا ہے۔

لفظ 'ابرہہ' حبشی، بلکہ حمیری زبان کا لفظ ہے۔ اس کے لفظی معنیٰ 'سفید' کے ہیں۔ یہ نام رکھنے کا قدیم زمانے میں یمن میں چلن تھا، چنانچہ متعدد افراد کا یہ نام ملتا ہے۔ مورخین نے شاہانِ حمیر کا تذکرہ اس ترتیب سے کیا ہے: ''ابرہہ بن الصباح نے پینتیس (۳۵) سال حکومت کی، پھر ایک اور شخص، جس کے نام میں اختلاف ہے، بادشاہ بنا۔ اس نے سترہ (۱۷) سال حکم رانی کی۔ پھر لخیعہ نے بادشاہت سنبھالی۔ وہ ستائیس (۲۷) سال حکم راں رہا۔ پھر ذونواس نے اڑسٹھ (۶۸) سال حکومت کی۔ اس کے اقتدار کا خاتمہ یمن پر حبشہ کے تسلّط سے ہوا۔ اس وقت ارياط اور اس کے بعد ابرہۃ الاشرم ابویکسوم بادشاہ بنا''۔ ۱۵ے

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ابرہۃ بن الصباح، جس کا تذکرہ مذکورہ بالا شعر میں ہے، اس کا زمانہ ابرہۃ الاشرم سے بہت پہلے کا ہے۔ قبیلہ نزار اور اہل یمن کے درمیان برابر جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ ممکن ہے، ان میں سے کسی جنگ میں ابرہہ نامی یمن کا سردار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مارا گیا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مارا نہ گیا ہو، بلکہ اسے صرف نیزے کا زخم لگا ہو۔

اہلِ مکہ نے ابرہہ سے جنگ نہیں کی تھی

معلّم فراہی کے نزدیک ''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عربوں نے اپنے مقدس شہر کی حفاظت کی ۔۔۔ اہلِ مکہ نے پوری قوت سے اصحابِ فیل کا مقابلہ کیا اور ان پر پتھراؤ کیا''۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اہلِ مکہ نے ابرہہ سے جنگ نہیں کی تھی ۔اس کے متعدد دلائل ہیں:

۱۔ متعدد روایات میں اس کی صراحت ہے۔ مثلاً ابن اسحاق، واقدی اور ابن الکلبی وغیرہ سے مروی روایت، ابن عباس کی روایت، جسے حاکم نے مستدرک میں بیان کیا ہے اور ذہبی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، انھی سے مروی ایک دوسری روایت، جسے ابن مردویہ نے نقل کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے شرح بخاری میں اسے حسن قرار دیا ہے۔

۲۔ جو لوگ عربوں کے احوال سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ وہ اپنی جنگوں کے واقعات اور حالات خوب یاد رکھتے تھے، ان کا اپنی محفلوں میں چرچا کرتے تھے اور انھیں اشعار میں بھی بیان کرتے تھے۔ جنگِ بسوس اور جنگِ داحس وغیرہ کے سلسلے میں انھوں نے گھوڑوں اور شہ سواروں کے نام، قاتلین اور مقتولین کے نام، جنگوں کے احوال اور دیگر جزئیات محفوظ رکھی تھی۔ شعبِ جبلہ کی جنگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے انیس (۱۹) سال قبل ہوئی تھی، لیکن الاغانی میں اس کی تفصیات و جزئیات اس طرح مذکور ہیں کہ معلوم ہوتا ہے، انھیں دورانِ جنگ ہی تحریر کرلیا گیا تھا۔ پھر یہ بات کیوں کر قرینِ عقل ہوسکتی ہے کہ انھوں نے ابرہہ سے جنگ کی ہو اور اسے قتل کردیا ہو، پھر بھی اس کا تذکرہ ان کے بیانات اور اشعار میں نہ ہو۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو یہ ایک عظیم الشان واقعہ ہوتا اور اس کا تذکرہ ان کے تاریخی بیانات میں تواتر کے ساتھ ہوتا اور وہ اس پر کثرت سے اشعار کہتے اور اس پر فخر کا اظہار کرتے۔

۳۔ تابعین اور تبع تابعین کی ایک جماعت نے اس واقعہ کو بیان کیا تو انھوں نے صراحت سے کہا کہ اہلِ مکہ نے ابرہہ سے جنگ نہیں کی، بلکہ وہ پہاڑوں میں روپوش ہوگئے۔ مگر کسی نے ان کی تردید نہیں کی۔ اگر یہ واقعہ پیش آیا تھا تو ان کی غیرت وحمیت کیوں برانگیختہ نہیں ہوئی اور انھوں نے واقعہ بیان کرنے والوں سے کیوں نہیں کہا کہ تم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جھوٹ بولتے ہو۔ ان لوگوں نے تو جنگ کی تھی اور فلاں فلاں معرکے پیش آئے تھے۔

۴۔ قریش کی تجارت اس واقعہ کے بعد بھی یمن اور حبشہ کی طرف جاری رہی۔ اگر انھوں نے ابرہہ سے جنگ کرکے اسے قتل کر دیا ہوتا تو یمن وحبشہ کی طرف ان کی تجارت کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہوتا۔

۵۔ اس واقعہ کے سلسلے میں جو اشعار منقول ہیں، ان سب میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی گئی ہے کہ اس نے اپنے گھر کی حفاظت کی۔ ان میں ابرہہ سے جنگ کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ اس سلسلے میں طالب بن ابی طالب کے اشعار سیرت ابن ہشام میں منقول ہیں اور ابن حبیب کی کتاب المنمق میں بھی کچھ اشعار روایت کیے گئے ہیں۔

کسی روایت میں صراحت نہیں کہ چڑیوں نے لاشیں کھائی تھیں

معلّم فراہی کا دعویٰ ہے کہ چڑیاں کوہ پیکر ہاتھیوں اور مقتولین کی لاشوں کو کھانے کے لیے بھیجی گئی تھیں۔ انھوں نے لکھا ہے کہ ''چڑیوں کے بارے میں دو طرح کی روایات ملتی ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ چڑیاں شکاری قسم کی اور بڑے قد کی تھیں اور انھوں نے اصحابِ فیل کی لاشوں کو کھایا، جب کہ دوسری روایات میں صراحت ہے کہ چڑیوں نے پتھر برسائے''۔ پھر لکھا ہے کہ ''بعض روایات میں دونوں قسم کی باتیں گڈمڈ ہو گئی ہیں''۔ آخر میں ان کا محاکمہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''جن راویوں نے چڑیوں کا لاشوں پر گرنا بیان کیا ہے ان کا بیان عینی شہادت پر مبنی معلوم ہوتا ہے اور جنھوں نے چڑیوں کا پتھر برسانا ذکر کیا ہے ان کی باتیں قیاسی لگتی ہیں''۔

حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ کسی روایت میں چڑیوں کے لاشوں کو کھانے کا ذکر نہیں ہے۔ معلّم فراہی نے اس سلسلے میں تین روایات تفسیرِ ابن جریر طبری سے نقل کی ہیں:

۱۔ ''عکرمہؒ سے روایت ہے کہ یہ چڑیاں سیاہی مائل خاکی رنگ کی تھیں، سمندر کی سمت سے آئی تھیں، ان کے سر شکاری چڑیوں کے سر کی طرح تھے''۔ تفسیر طبری میں اس روایت کے الفاظ یہ ہیں: **کانت طیراً خضراً، خرجت من البحر، لھا رؤوس کرؤوس السباع، کانت ترمیھم بحجارۃ معھا۔** اللہ تعالیٰ ہمیں اور معلّم فراہی کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاف کرے۔ انھوں نے روایت کا آخری جملہ نہیں نقل کیا ہے، جس میں چڑیوں کے پتھر مارنے کی صراحت ہے۔

۲۔ ''حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ان کے چڑیوں کی طرح سونڈ اور کتے کے پنجوں کے مانند چنگل تھے۔'' اس روایت میں ذکر نہیں کہ چڑیوں نے کیا کام انجام دیا؟ لیکن حضرت ابن عباسؓ سے مروی بعض دوسری روایات میں صراحت مل جاتی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ابن مردویہ کی سند سے ایک روایت نقل کی ہے (اور اسے حسن قرار دیا ہے) جس میں یہ الفاظ ہیں: ... **فدعا الله الطير الأبابيل، فأعطاها حجارة سوداء فلما حاذتهم رمتهم**۔ ۱۶؎ (اللہ نے چڑیوں کے جھنڈ بلایے۔ ان کو کالے پتھر دے دیے۔ جب وہ ان کی سیدھ میں آئے تو انھوں نے ان پر پتھر برسائے)۔

۳۔ ''سعید بن جبیرؒ نے فرمایا: یہ چڑیاں سیاہی مائل خاکی رنگ کی تھیں اور زرد گول چونچوں سے ان کا گوشت کھاتی تھیں''۔ تفسیر طبری میں اس روایت کے الفاظ یہ ہیں: **طير خضر، لها مناقير صفر، تختلف عليهم**۔ '**اختلف عليه**' کا معنیٰ ہے کسی چیز کا بار بار آنا جانا۔ روایت کے الفاظ '**تختلف عليهم**' کو معلّم فراہی نے **مناقير** (چونچوں) سے متعلق سمجھ لیا، پھر اس سے یہ استنباط کرلیا کہ چونچوں کا ان پر بار بار آنا ان کا گوشت کھانے ہی کے لیے ہوگا، حالاں کہ وہ '**طير خضر**' سے متعلق ہے۔ اس صورت میں اس کا ترجمہ یہ ہوگا: ''ان چڑیوں کے جھنڈ ان پر آتے جاتے تھے''۔

حضرت سعید بن جبیرؒ سے مروی ایک دوسری روایت میں، جسے ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کیا ہے، چڑیوں کے پتھر پھینکنے کی صراحت ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں: **فأرسل عليهم طير صغار بيض، في أفواهها حجارة أمثال الحمص لاتقع على أحد الاهلك**۔ ۱۷؎ (اللہ تعالیٰ نے ان پر چھوٹے سفید رنگ کی چڑیاں بھیجیں۔ ان کے منہ میں چنے کے برابر پتھریاں تھیں۔ جسے وہ پتھریاں لگتیں وہ ہلاک ہوجاتا تھا)۔

کلامِ عرب میں بھی چڑیوں کے پتھر پھینکنے کی صراحت موجود ہے

معلّم فراہی نے ایک فصل قائم کی ہے، جس کا عنوان ہے: ''کلامِ عرب کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شہادت کہ سنگ باری آسمان اور ہوا سے ہوئی“۔ اس کے تحت انھوں نے جو اشعار نقل کیے ہیں ان سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ ان میں چڑیوں کے پتھر پھینکنے کا تذکرہ نہیں ہے۔ لیکن ان کا استدلال محلِ نظر ہے۔

انھوں نے جن شعراء کا کلام نقل کیا ہے ان میں طفیل غنوی، ابو امیہ بن ابی الصلت، عبدالمطلب، مغیرہ بن عبداللہ المخزومی اور ایک نامعلوم الاسم شاعر کے اشعار میں نہ ہوا کا ذکر ہے، نہ پرندوں کا۔ پھر ان سے استدلال کیوں کر درست ہوسکتا ہے؟!

جن اشعار سے استدلال کی گنجائش ہے وہ یہ ہیں۔ ابو قیس صیفی بن عامر کہتا ہے:

فأرسل من ربهم حاصب یلفّهم مثل لفّ القزم

”پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر ’حاصب‘ چلی جو خس و خاشاک کی طرح ان کو لپیٹ لیتی تھی“

اسی شاعر کا یہ شعر بھی ہے:

فلما أجازو ابطن نعمان ردّهم جنود الالہ بین ساف و حاصب

”جوں ہی وہ بطن نعمان سے آگے بڑھے، خدا کی فوجوں نے ’ساف‘ اور ’حاصب‘ کے درمیان نمودار ہو کر ان کو پسپا کر دیا۔“

معلّم فراہی نے لکھا ہے کہ ”عربی میں ’حاصب‘ اس تند ہوا کو کہتے ہیں جو کنکریاں اور سنگ ریزے لا کر پاٹ دیتی ہے اور ’سافی‘ اس ہوا کو کہتے ہیں جو گرد و غبار، خس و خاشاک اور درختوں کی خشک پتیاں اڑاتی ہوئی چلتی ہے۔ چڑیوں کے لیے اس لفظ کا استعمال کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا۔“

اہلِ لغت کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ’حاصب‘ حَصَبَ کا اسم فاعل ہے۔ حَصَبَ کا معنیٰ ہے کنکری مارنا۔ اس طور پر ’حَاصِب‘ کے معنیٰ ہوئے ’کنکری مارنے والا‘۔ ابو قیس کے مذکورہ بالا دونوں اشعار میں متعین ہوجاتا ہے کہ کنکری مارنے والے پرندے تھے۔ اس لیے کہ شاعر نے ’جنود الالہ‘ (اللہ کی فوجیں) کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اگر ’ساف‘ اور ’حاصب‘ دونوں سے مراد تیز و تند ہوا لی جائے تو یہ ایک ہی فوج ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ساف سے مراد ہوا اور حاصب سے مراد پرندے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معلّم فراہی نے نفیل بن حبیب خثعمی کا (جو اصحابِ فیل کی ہلاکت کا عینی شاہد تھا) یہ شعر نقل کیا ہے:

حمدت اللہ اذ عاینت طیراً وحصب حجارۃ تلقی علینا

''میں نے خدا کا شکر ادا کیا جب چڑیوں کو دیکھا اور ہمارے اوپر پتھروں کی بارش ہو رہی تھی''

پھر لکھا ہے کہ ''جو لوگ واقعہ کے عینی شاہد ہیں، چڑیوں اور پتھروں کا ذکر ساتھ ساتھ کرتے ہیں، لیکن یہ کہیں نہیں کہتے کہ یہ پتھر چڑیوں نے پھینکے''۔

مذکورہ بالا شعر میں 'حصب حجارۃ' کے الفاظ تفسیر خازن میں آئے ہیں۔۱۸؎ سیرت ابن ہشام، تاریخ طبری اور دیگر کتابوں میں 'حصب' کی جگہ 'خِفتُ' کا لفظ ہے۔ لفظ 'تُلقِی' کو اگر معروف پڑھا جائے (اس صورت میں دوسرے مصرعے کا ترجمہ ہوگا: میں ان پتھروں سے ڈرا جنھیں وہ چڑیاں ہمارے اوپر گرا رہی تھیں) تو اس میں صراحت ہے کہ پتھر چڑیوں نے پھینکے اور اگر اسے مجہول (تُلقیٰ) پڑھا جائے (اس صورت میں ترجمہ ہوگا: میں ان پتھروں سے ڈرا جو ہمارے اوپر گرائے جا رہے تھے) تو بھی قرینہ واضح ہے، کیوں کہ شاعر چڑیوں کو دیکھ کر ہی اللہ کا شکر ادا کر رہا ہے۔

ابن حبیب بغدادی کی کتاب المنمّق میں اسی شاعر (نفیل خثعمی) کے کچھ اور اشعار ہیں، جن میں چڑیوں کے پتھر پھینکنے کی صراحت ہے۔ وہ کہتا ہے:

حتی رأینا شعاع الشمس تسترہ طیر کرجل جرادٍ طار منتشرِ

یرمیننا مقبلاتٍ ثم مدبرۃً بحاصبٍ من سواء الأفق کالمطرِ

''یہاں تک کہ ہم نے دیکھا کہ سورج کی شعاعوں کو ٹڈی دل کی طرح آنے والے پرندوں نے ڈھک دیا جو ادھر ادھر اڑ رہے تھے۔ انھوں نے پورے افق سے آتے جاتے ہوئے ہمارے اوپر پتھروں کی بارش کر دی''

ان اشعار میں صراحت ہے کہ چڑیاں 'حاصب' پھینک رہی تھیں۔ اس سے متعین ہو جاتا ہے کہ اشعار میں 'حاصب' سے کنکریاں اور سنگریزے اڑانے والی ہوا مراد نہیں لی جا سکتی، بلکہ اس سے مراد وہ کنکریاں ہیں جنھیں چڑیاں پھینک رہی تھیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصحاف ِفیل کی لاشیں کیسے ٹھکانے لگیں؟

بعض روایات میں ہے کہ اصحابِ فیل کی ہلاکت کے بعد ایک سیلاب آیا، جو مقتولین کی لاشوں کو بہالے گیا۔ معلّم فراہی انھیں قیاسی قرار دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: ''جب یہ سوال سامنے آیا کہ ہاتھیوں اور مقتولین کی متعفن لاشیں، جن سے تمام وادیٔ مکہ اَٹ گئی تھی، کس طرح دور کی گئیں؟ تو اس کا جواب یہ دے دیا کہ اللہ تعالیٰ نے سیلاب بھیجا اور وہ سب بہالے گیا، حالاں کہ اس جواب کے بعد یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ جو بے پناہ سیلاب ان تمام ہاتھیوں اور اتنی بے شمار لاشوں کو بہالے گیا، آخر اس کی زد سے وادیٔ مکہ کے باشندے کیسے بچ گئے؟ بہر حال یہ ایک رائے اور قیاس ہے، اس کو مشاہدہ اور ذاتی واقفیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔'' اس کے بجائے ان کا خیال ہے کہ ''کوہ پیکر ہاتھیوں اور مقتولوں کی لاشوں کو کھانے کے لیے خدا نے سمندر کی جانب سے چڑیوں کے جھنڈ بھیجے۔ اگر یہ لاشیں پڑی رہتیں تو ایک مدت کے لیے مکہ ناقابلِ سکونت ہو جاتا۔ ان چڑیوں نے ابرہہ کے سنگ سار کردہ لشکر کو، جو بالکل بھس کی طرح ہو گیا تھا، صاف کیا۔''

معلّم فراہی نے یہ فرض کرلیا کہ اصحاب فیل کی ہلاکت وادیٔ مکہ میں ہوئی تھی، حالاں کہ روایات اور کلامِ عرب دونوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حدودِ حرم سے باہر ہلاک کیے گئے تھے۔ ابن اثیر نے لکھا ہے: **ان الفیل لم یدخل الحرم** (ہاتھی حرم میں نہیں داخل ہو پایا تھا)۔ ابن اسحاق کی **السیرۃ**، ابن حبیب کی **المنمق** اور ازرقی کی تاریخ مکہ، اسی طرح امیہ بن ابی الصلت، مغیرہ بن عبداللہ بن مخزوم، عمرو بن الوحید بن کلاب اور نفیل بن حبیب خثعمی کے اشعار میں صراحت ہے کہ اصحابِ فیل مغمّس سے آگے نہیں بڑھ سکے تھے۔ مغمّس طائف کے راستے پر حدود حرم سے قریب ایک مقام کا نام ہے۔ اس لیے وادیٔ مکہ کے لاشوں سے اٹ جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ پھر ایسا بھی نہیں ہوا کہ ابرہہ کی پوری فوج ایک ہی مقام پر ہلاک ہوگئی ہو۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پتھر جن کو لگتے تھے ان کے جسموں میں گھس جاتے تھے اور جن کو بھی پتھر لگے وہ وہیں ڈھیر ہو کر رہ گئے، لیکن یہ روایات کم زور اور یہ بیانات مشتبہ ہیں۔ معتبر روایات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو پتھر لگے وہ چیچک اور شدید خارش میں مبتلا ہو گئے اور سب فوراً ہی ہلاک نہیں ہو گئے، بلکہ نہایت بدحواسی کے عالم میں بھاگے اور راستوں میں مختلف جگہوں پر نہایت بے کسی کی حالت میں انھوں نے جانیں دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ مکہ سے قریب ہلاک ہوئے ہوں گے ان کی تعداد زیادہ نہیں ہو گی کہ ان کی لاشوں سے مکہ کی آب و ہوا متغیر ہو جائے۔

اس موقع پر سیلاب آنے کا بیان صرف واقدی کی روایت میں نہیں ہے، بلکہ عکرمہ سے مروی روایت میں بھی اس کی صراحت ہے۔ اور یہ مستبعد بھی نہیں ہے۔ ممکن ہے، اوسط درجے کا سیلاب آیا ہو جو لاشوں کو بہالے گیا ہو اور اہل مکہ اس کی تباہی سے محفوظ رہے ہوں۔ بالفرض اگر سیلاب نہ آیا ہو تو بعید نہیں کہ اہل مکہ نے وہاں موجود لاشوں کو گڑھے کھود کر ان میں دفن کر دیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس علاقے میں پائے جانے والے شکاری پرندوں اور گِدھوں نے گری پڑی لاشوں کا گوشت کھایا ہو۔

عہدِ جاہلیت اور عہدِ اسلامی میں بڑی بڑی جنگیں ہوئی ہیں، مثلاً کلاب، ذی قار، یرموک اور قادسیہ کی جنگیں۔ ان میں ہزاروں لوگ ہلاک ہوئے، لیکن ان کی وجہ سے ان جنگوں کے علاقے نہ وہاں کے باشندوں کے لیے ناقابلِ سکونت بنے اور نہ اللہ تعالیٰ نے ان لاشوں کو ٹھکانے لگانے کے لیے عجیب وغریب پرندے بھیجے۔ پھر اگر مان لیں کہ واقعۂ ابرہہ کے موقع پر آنے والے پرندوں نے ہلاک ہونے والوں کا گوشت کھایا تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ انھوں نے ان پر سنگ باری نہیں کی۔ یہ کیوں نہیں مانا جاسکتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پرندوں کو اصحابِ فیل پر عذاب نازل کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ انھوں نے ان پر سنگ باری کی، جس سے وہ ہلاک ہو گئے۔ پھر انھوں نے ان کا گوشت کھا کر ماحول کو صاف کر دیا۔ قرآن کریم اور روایات میں ان پرندوں کے گوشت کھانے کا ذکر اس لیے نہیں کیا گیا کہ یہ ایک معمول کا کام تھا۔

رمی جمار حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ کی یادگار ہے

معلم فراہی نے لکھا ہے: ''بہت سے قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ منیٰ میں رمیِ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جمرہ واقعۂ فیل ہی کی یادگار ہے، لیکن ضعیف روایات نے اس حقیقت پر پردہ ڈال رکھا ہے''۔ پھر چند روایات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''صحیح روایات میں سنتِ رمیٔ جمرہ کی اصل کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اگر اس کے متعلق کوئی بات صحیح روایات سے ثابت ہوتی تو اس سے بڑھ کر کیا بات ہوسکتی تھی، لیکن جہاں تک ہم کو معلوم ہے، اس کے متعلق کوئی صحیح روایت موجود نہیں ہے اور دین کا معاملہ نہایت اہم ہے۔ اس وجہ سے اس کے معاملے میں ہر قسم کی روایات پر اعتماد کرلینا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔۔۔ اس وجہ سے ہم نے استنباط کی راہ اختیار کی ہے۔ صحیح اور ثابت چیزوں سے استنباط اس صریح روایت سے زیادہ بہتر ہے جو ثابت نہ ہو۔'' آگے انھوں نے مختلف استنباطات کے ذریعہ رمی جمار کو واقعۂ فیل کی یادگار ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معلم فراہی کو معتبر اور قابل قبول روایات سے واقفیت نہیں ہوسکی۔ اس سلسلے کی چند روایات یہ ہیں:

سعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے رمی جمار کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا:

اللہ ربکم تکبّرون، وملة أبیکم تتبعون، ووجه الشیطان ترمون۔ ۱۹	اس کے ذریعے تم اللہ اپنے رب کی تکبیر بیان کرتے ہو، اپنے باپ کے طریقے کی پیروی کرتے ہو اور شیطان کے چہرے پر کنکریاں مارتے ہو۔

ابوداؤد طیالسی نے ابوالطفیل سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:

> ''حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب مناسک دکھائے گئے تو شیطان مسعیٰ کے پاس ظاہر ہوا۔ وہ اس سے آگے بڑھ گئے۔۔۔ پھر جب وہ جمرۃ العقبۃ کے پاس پہنچے تو شیطان پھر نظر آیا۔ انھوں نے اس کو کنکریاں ماریں تو وہ بھاگ گیا۔ پھر وہ جمرۂ وسطیٰ کے پاس پہنچے تو شیطان پھر ظاہر ہوا۔ انھوں نے اسے سات کنکریاں ماریں تو وہ بھاگ گیا۔ پھر وہ جمرۂ قصویٰ پہنچے تو وہاں شیطان پھر دکھائی دیا۔ انھوں نے اسے سات کنکریاں ماریں تو وہ بھاگ گیا۔۔۔''۔۲۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس حدیث کو ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں بیان کیا ہے۔۲۱؎

یہ روایت مسند احمد میں بھی متعدد سندوں سے مروی ہے۔ اس کے بعض بیانات میں فرق ہے، لیکن اتنی بات پر اتفاق ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے سامنے شیطان جمرات پر ظاہر ہوا تھا، اس موقع پر انھوں نے اسے کنکریاں ماری تھیں۔۲۲؎

حاکم نے مستدرک میں حضرت ابن عباسؓ سے اسی مضمون کی روایت نقل کی ہے۔ اس کے آخر میں وہ فرماتے ہیں:

الشيطان ترجمون وملة أبيكم تتبعون۔ ۲۳؎ — تم شیطان کو کنکریاں مارتے ہو اور اپنے باپ کے طریقے کی پیروی کرتے ہو۔

حاکم نے لکھا ہے کہ یہ حدیث شیخین (بخاری ومسلم) کی شرط پر صحیح ہے۔ ذہبی نے اسے صرف مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔ اسے ابن خزیمہ نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔۲۴؎

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان حضرت ابراہیمؑ کے سامنے اس وقت ظاہر ہوا تھا جب وہ اپنے بیٹے اسماعیلؑ کو ذبح کرنے کے لیے لے جا رہے تھے۔ لیکن ان روایات کا پایۂ استناد کمزور ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے بہت سے طرق و شواہد موجود ہیں۔ اس لیے اس کو نظر انداز کر کے دوُر دراز کے استنباطات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اشعارِ جاہلیت میں رمیِ جمار کا ذکر موجود ہے

معلم فراہی نے لکھا ہے: ''حج اور اس کے تمام مناسک حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے چلے آ رہے ہیں۔ چنانچہ کلامِ جاہلیت میں اجمالاً وتفصیلاً ان تمام باتوں کا ذکر موجود ہے، لیکن اس میں رمی جمرات کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نئی چیز ہے اور واقعۂ فیل کے بعد وجود میں آئی ہے۔ چوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ایک بہت بڑے احسان کی یادگار ہے، اس وجہ سے اسلام نے اس کو باقی رکھا اور حج کے مراسم میں شامل کرلیا۔"

یہ بات صحیح نہیں ہے۔ نفیل خثعمی، جو اس واقعہ کے عینی شاہدوں میں سے ہے، کہتا ہے:

ردینة لو رأیت ولن تریه لدی جنب المحصب ما رأینا

"ردینہ! کاش تو دیکھ لیتی اور اب ہرگز نہیں دیکھ سکتی، جو محصّب کے پہلو میں ہم نے دیکھا۔"

اصمعی کا قول ہے کہ "محصّب وہ جگہ ہے جہاں کنکریاں ماری جاتی ہے"۔ ۲۵؎ جب واقعۂ ابرہہ کا عینی شاہد اس جگہ کو 'محصّب' کہہ رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا یہ نام یہ واقعہ پیش آنے کے بعد نہیں رکھا گیا، بلکہ پہلے سے معروف تھا۔

معلم فراہی کی اختیار کردہ تاویل کے ممکنہ وجوہ

معلم فراہی کی اختیار کردہ تاویل کا خلاصہ یہ ہے کہ اہلِ مکہ نے اصحابِ فیل سے جنگ کی اور یہ کہ اصحاب فیل پر چڑیوں نے پتھریاں نہیں برسائیں۔ انھوں نے یہ تاویل کیوں اختیار کی؟ اس کی ممکنہ وجوہ درج ذیل ہوسکتی ہیں:

۱۔ اہلِ عرب کی غیرت وحمیت معروف ہے۔ اس بنا پر انھوں نے اسے بعید خیال کیا کہ وہ اللہ کے گھر کی حفاظت کے لیے کمربستہ نہ ہوں اور بزدلی کا مظاہرہ کریں۔ ایسے موقع پر کم زوری دکھانا ایک عیب تصور کیا جاتا ہے۔ اس عیب کی طرف نسبت قریش کی طرف ہو تو اسے بعض کفار وملحدین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیب جوئی کا بہانہ بنا سکتے ہیں، اس لیے کہ آپ اس کے ایک فرد تھے۔

اس تاویل کی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ گزشتہ صفحات میں واضح کیا جاچکا ہے کہ اہلِ مکہ ابرہہ کی فوج کا مقابلہ نہ کرنے میں معذور تھے۔ یہ ان کی بزدلی کا مظہر ہے نہ اس میں ان کے لیے عیب کا پہلو نکلتا ہے۔

۲۔ معلم فراہی کے نزدیک "قدرت کے تمام کارخانۂ خلق وایجاد میں پردہ داری

© rasailojaraid.com